رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا کی دعا دونوں نسلوں کیلئے ہے نیز حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ رمئی ۱۹۹۱ء بمقام Nunspeet ہالینڈ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج کا یہ خطبہ میں ہالینڈ کی جماعت Nunspeet سے دے رہا ہوں۔ جہاں مجلس خدام الاحمدیہ ہالینڈ کے سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ یہ خطبہ بھی حسب سابق مواصلاتی نظام کے ذریعے مختلف ممالک میں سنا جا رہا ہے۔ جاپان میں بھی حسب سابق توقع ہے کہ رابطہ مکمل ہو جائے گا لیکن سردست یہ رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔ انگلستان کی ایسٹ لنڈن، ساؤتھ آل ہنسلو ،کرائیڈن ،لنڈن Mosque اور مانچسٹر اور جلنگھم کی جماعتیں یہ خطبہ سن رہی ہیں۔ اسی طرح جرمنی سے بھی اور ماریشس سے بھی جماعتیں یہ خطبہ سن رہی ہیں۔

یہ نظام جو مواصلاتی رابطوں کے ذریعے قائم ہوا ہے اس میں ہمارے لنڈن کے ایک مخلص دوست سعید جسوال صاحب اور ان کے بھائیوں اور ایک بہنوئی کی محنت کا بہت دخل ہے اور یہ اپنی ٹیم لے کر آج یہاں بھی پہنچے ہیں تا کہ جن جماعتوں کو براہ راست خطبہ سننے کی عادت پڑ چکی ہے وہ ان خطبوں سے محروم نہ رہ جائیں جو اس سفر کے دوران دیئے جائیں گے۔

اس تمہید کے بعد اب میں اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہوں جو ایک سلسلے کی صورت میں جاری ہوا ہے اور جس کا تعلق سورۃ الفاتحہ کی اس دعا سے ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٦

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اے ہمارے اللہ! ہمیں صراط مستقیم پر چلا۔ اس صراط مستقیم پر جس پر وہ لوگ چلتے رہے جن پر تو نے انعام نازل فرمائے۔

میں نے بتایا تھا کہ جن پر انعام نازل فرمائے گئے وہ دعاؤں کی بدولت اپنی مراد کو پہنچے ہیں محض انسانی کوششوں سے کامیاب نہیں ہوئے اور ہمارے لئے بھی سورۂ فاتحہ کی اس دعا نے قرآنی دعاؤں کا ایک سلسلہ کھول دیا ہے اور اس سلسلے کا قرآن کریم میں مکمل طور پر ذکر محفوظ ہے۔ صرف انبیاء ہی کی دعائیں درج نہیں بلکہ دیگر صالحین اور خدا تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں، مردوں اور عورتوں کی دعائیں بھی قرآن کریم میں ہمارے لئے محفوظ فرما دی گئی ہیں۔

آج کے لئے پہلی دعا اولاد کی دعا ہے جو اسے اپنے والدین کے لئے کرنی چاہئے اور یہ دعا جو الہامی دعا ہے ان معنوں میں کہ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی امت کو سکھائی، دعا تو یہ ہے: رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل: ۲۵) اے میرے رب! ان دونوں پر، میرے والد اور میری والدہ پر اس طرح رحم فرما جس طرح بچپن سے یہ میری تربیت کرتے چلے آئے ہیں۔

لیکن اس دعا کی گہرائی کو سمجھنے کے لئے اس کا وہ پس منظر جاننا ضروری ہے جو یہی آیت کریمہ ہمارے سامنے کھول کر رکھ رہی ہے۔ پس پوری آیت کو پڑھنے کے بعد اس دعا کی اہمیت بھی سمجھ آتی ہے کہ اور کن کن باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دعا کرنی چاہئے، یہ مضمون بھی ہم پر روشن ہو جاتا ہے۔ آیت یہ ہے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل: ۲۴) کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر فرما دیا ہے، یہ فیصلہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بجائے رَبُّكَ لفظ ہے یعنی اے محمد ﷺ تیرے رب نے یہ فیصلہ صادر فرما دیا ہے اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ احسان کا سلوک کرو۔ والدین کے ساتھ نیکی کے برتاؤ کی اتنی بڑی اہمیت ہے کہ توحید کی تعلیم کے بعد دوسرے درجے پر خدا نے جس بات کا فیصلہ فرمایا وہ یہ تھا کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ احسان کا لفظ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے اس کے متعلق میں پھر دوبارہ آپ سے بات کروں گا۔ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ

هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۔ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اگر ان میں سے کوئی تیرے ہوتے ہوئے تیری زندگی میں بڑھاپے تک پہنچ جائے ۔ان میں سے خواہ ایک پہنچے یا دونوں پہنچیں فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ان کو اف تک نہیں کہنی ۔اف نہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے بڑھاپے میں ایسی حرکتیں ہوسکتی ہیں جوان کے بچپن کے سلوک سے مختلف ہوں ۔بچپن میں تو وہ بڑی رحمت کے ساتھ تمہاری تربیت کرتے رہے لیکن بڑھاپے کی عمر میں پہنچ کر انسان کو اپنے جذبات پر اختیار نہیں رہتا ۔زیادہ زود رنج ہو جاتا ہے اور بہت سی صحت کی کمزوریاں اس کے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا کر دیتی ہیں پھر کئی قسم کے احساسات محرومی ہیں ۔اولاد بڑی ہوگئی، اپنے گھروں میں آباد ہوگئی اور جس طرح والدین توقع رکھتے ہیں کہ یہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ ساتھ ہم سے بھی ویسا ہی معاملہ کرے گا اس میں کوئی کوتاہی رہ جاتی ہے یا والدین کو وہم گزرتا ہے کہ ہم سے ویسا پیار نہیں جیسا اپنی بیوی اور اولاد سے ہے تو ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کریم نے بڑی حکمت کے ساتھ فرمایا۔ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ایسی باتیں ہونگی جن کے نتیجے میں ہوسکتا ہے تمہیں جائز یا ناجائز شکایت پیدا ہو اور والدین تم سے بظاہر سختی کا سلوک کرنا شروع کر دیں ۔تم جو بچپن کی نرمی کے عادی ہو اس سلوک سے گھبرا کر اف نہ کہہ بیٹھنا ۔اف کا لفظ کوئی گالی نہیں ہے، کوئی سخت کلامی نہیں ہے ۔ایک اظہار افسوس ہے ۔فرمایا کہ اظہار افسوس تک نہیں کرنا ۔وَّلَا تَنْهَرْهُمَا اور جھڑکنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔اپنے والدین کے ساتھ ہرگز سخت کلامی نہیں کرنی قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا اور ان کے ساتھ عزت کا کلام کیا کرو۔ ہمیشہ احترام کے ساتھ ان سے مخاطب ہوا کرو وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ اور اپنی نرمی کے پر ان کے اوپر پھیلا دو مِنَ الرَّحْمَةِ رحمت کے اور نرمی کے یا رحمت کے نتیجے میں جو نرمی پیدا ہوتی ہے ۔اس کے پر ان پر پھیلا دو اور پھر یہ دعا کرو: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا جس طرح انہوں نے بچپن میں بڑے رحم کے ساتھ میری تربیت فرمائی ہے۔

یہ بہت ہی پیاری اور کامل دعا ہے اور بہت سی ذمہ داریوں کی طرف جو اولاد کے ذمہ اپنے والدین کے لئے ہیں، ہمیں توجہ دلاتی ہے لیکن اس دعا میں اور بھی بہت سی حکمتیں پنہاں ہیں ۔اب میں نسبتاً تفصیل سے اس آیت کے بعض مضامین کھول کر آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ احسان کا حکم دیا گیا ہے۔ ادائیگی فرض کا نہیں اور احسان بظاہر ضروری نہیں ہوا کرتا۔ احسان تو ایسا معاملہ نہیں ہے کہ ہر انسان پر فرض ہو۔ کیا یا نہ کیا کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی اگر فرق پڑتا بھی ہے تو احسان ایک ایسی بات نہیں ہے جو اگر انسان نہ کرے تو خدا کے نزدیک معتوب ہو جائے تو پھر خدا تعالیٰ نے ذمہ داریاں ادا کرنے کا حکم کیوں نہ دیا اور احسان کا حکم کیوں دیا؟ اس میں اور بھی حکمتیں پوشیدہ ہوں گی لیکن دو ایسی حکمتیں ہیں جن کو میں آپ کے سامنے کھولنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ فرض کی ادائیگی پہلے ہوا کرتی ہے اور احسان بعد میں آتا ہے اگر فرض ادا نہ ہو تو احسان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے قرآن کریم جو بڑی فصیح و بلیغ کتاب ہے، خدا کا کلام ہے اس نے ایک لفظ میں اس سے پہلے ہونیوالی ذمہ داریوں کا بھی ذکر فرما دیا اور مومن سے گویا یہ توقع رکھی کہ جہاں تک اس کی روزمرہ کی ذمہ داریوں کا تعلق ہے فرائض کا تعلق ہے وہ تو لازماً وہ پورے کر رہا ہے ان کو نہ پورے کرنے کا تو سوال ہی نہیں لیکن جہاں تک والدین کا تعلق ہے محض ذمہ داریاں پورا کرنا کافی نہیں ہے۔ ان کے ساتھ احسان کا سلوک ہونا ضروری ہے۔ ایک یہ حکمت ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ یہاں لفظ احسان کو سمجھنے کے لئے ہمیں قرآن کریم کی ایک اور آیت کا سہارا لینا ہوگا جو اس مضمون کے لئے کنجی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن:۶۱) کہ احسان کی جزاء احسان کے سوا کیا ہو سکتی ہے؟ پس یہ احسان ان کے اوپر ان معنوں میں احسان نہیں ہے جن معنوں میں ہم ایک دوسرے پر احسان کرتے ہیں۔ یہ احسان والدین کے اوپر اولاد کی طرف سے کوئی یک طرفہ نعمت نہیں ہے جو ان کو ادا کی جا رہی ہے بلکہ خدا تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ والدین نے تم سے احسان کا معاملہ کیا تھا اس لئے صرف فرض کی ادائیگی کافی نہیں ہوگی جب تک تم ان سے احسان کا معاملہ نہیں کرو گے تم اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے والے نہیں بنو گے۔ چنانچہ فرمایا هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کہ احسان کی جزاء تو احسان کے سوا ہے ہی کوئی نہیں۔ کوئی شخص تم پر احسان کرتا چلا جا رہا ہو اور تم اپنی روزمرہ کی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہو تو یہ کافی نہیں ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو آیت کے آخری حصے نے کھول دیا یہ جہاں دعا سکھائی گئی: رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا اے اللہ ان سے اس طرح رحم کا سلوک فرما جس طرح یہ بچپن میں مجھ سے رحم کا سلوک فرماتے تھے۔ صرف اپنے

حقوق ادا نہیں کرتے تھے۔ محض مجھے زندہ رکھنے کے لئے اور روزمرہ کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے محنت نہیں اٹھاتے تھے بلکہ اس سے بہت بڑھ کر مجھ سے شفقت اور رحمت کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ میری معمولی سی تکلیف پر یہ بے چین ہو جایا کرتے تھے۔ میری ادنیٰ سی بیماری پر ان کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جایا کرتی تھیں اور انہوں نے جو مجھ سے سلوک فرمایا وہ رحمت کا سلوک ہے۔ پس مجھے جو احسان کا حکم ہے کہ میں بھی احسان کا سلوک کروں تو اے خدا! میں اس احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا اس لئے میں دعا کے ذریعے تجھ سے مدد چاہتا ہوں اور جب تک تو اس بارہ میں میری مدد نہ فرمائے حقیقت میں میرے والدین کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ میں جو بھی کوشش کروں اس کے باوجود ان احسانات کو چکا نہیں سکتا۔ پس تو میری مدد فرما اور رَّبِّ ارْحَمْهُمَا اے خدا تو ان کے اوپر رحم فرما اور میرے سلوک میں جو کمیاں رہ جائیں گی وہ تو اپنے رحم سے پوری فرمادے۔ كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا جس طرح بچپن میں یہ میری تربیت کرتے رہے تو ان کے ساتھ وہ سلوک فرما۔

اس دعا نے ایک اور حیرت انگیز مضمون کو ہمارے سامنے کھول دیا کہ والدین بھی جہاں تک خدا کا تعلق ہے اس کی تربیت کے محتاج ہیں لَّهُمَآ أُفٍّ کہنے کے ساتھ ان کی بشری کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو وہاں بھی خدا تعالیٰ کی ربوبیت کی بہت ضرورت ہے اور انسان تو مرتے دم تک خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا محتاج رہتا ہے اس لئے یہ دعا بہت ہی کامل دعا ہے اور اس کے معنی یہ بنیں گے کہ اے خدا! اگر چہ بظاہر ان کے اعضاء مضمحل ہو چکے ہیں یہ کمزوری کی طرف لوٹ رہے ہیں، طاقت کے بعد ضعف شروع ہو چکا ہے لیکن ضعف کے وقت زیادہ رحم کے ساتھ تربیت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جب میں بچہ تھا تو میرے والدین نے مجھ سے میرے ضعف کی وجہ سے رحم کا سلوک کیا اور صَغِيرًا کے لفظ نے بتا دیا کہ بڑے ہو کر رحم کا معاملہ اتنا نہیں رہا کرتا جتنا بچپن میں ہوتا ہے۔ بچپن کی کمزوری ہے جو رحم کا تقاضا کرتی ہے۔ بچے کو آپ ایک بات سکھاتے ہیں۔ چلانا سکھائیں تو بار بار وہ گرتا ہے، بولنا سکھائیں تو بار بار غلطیاں کرتا ہے تتلاتا ہے، سبق پڑھائیں تو اس کو پڑھا ہوا سبق بار بار بھولتا جاتا ہے لفظ آپ رٹا بھی دیں تو پھر اگلی دفعہ جب سنتے ہیں تو اس لفظ میں پھر وہی غلطیاں کرنے لگ جاتا ہے۔ بعض دفعہ بچے کو پڑھانا اعصاب شکن ہوتا ہے اور حقیقت میں

جب تک رحم کا معاملہ نہ کیا جائے اس وقت تک بچے کی صحیح تعلیم نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ **بعض والدین جو جہالت سے حوصلہ چھوڑ بیٹھتے ہیں وہ بچپن سے بجائے رحم کے سختی کا معاملہ شروع کر دیتے ہیں اور سختی کے ساتھ بچے کی تربیت ہو نہیں سکتی۔ اس میں بغاوت پیدا ہو جاتی ہے، اس میں سخت ردعمل پیدا ہوتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اس کی تربیت ہو اس کے اندر بچپن سے نقائص بیٹھ جاتے ہیں۔**

پس اس آیت کریمہ نے اس حکمت کو بھی ہمارے سامنے روشن کر دیا کہ وہ والدین جو اچھی تربیت کرنے والے ہوں وہ بچپن میں رحم کے ساتھ تربیت کیا کرتے ہیں اور وہ لوگ جن کو یہ دعا سکھائی گئی ہے وہ کیونکہ دراصل حضرت محمد مصطفی ﷺ اور آپ کے ساتھ ہیں، آپ کے غلام ہیں اس لئے ان کے والدین سے بہترین توقعات بھی پیش فرمائی گئیں اور یہ بیان کیا گیا کہ جس طرح ہمارے والدین بچپن میں ہماری کمزوریوں کے پیش نظر ہم سے سختی کرنے کی بجائے رحمت کا معاملہ کیا کرتے تھے اور تربیت میں بار بار بخشش کا سلوک فرماتے تھے اسی طرح اے خدا! اب میرے والدین کمزور ہو چکے ہیں تو ان کی غفلتوں اور کمزوریوں سے درگزر فرما اور ان کے ساتھ بخشش اور رحمت کا سلوک فرما۔

اس ضمن میں ایک یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ کَمَا کے لفظ نے ہمیں ہماری بہت سی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلا دی جو صرف والدین کی طرف سے نہیں بلکہ اپنی اولاد اور آئندہ نسلوں کی طرف سے ہمیں پیش آتی ہیں اور ہمیں انہیں کس طرح ادا کرنا چاہئے۔ اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے فرمایا رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا۔ کَمَا کے لفظ نے یہ بتایا کہ اگر والدین بچوں کی تربیت رحمت کے ساتھ نہیں کرتے تو یہ دعا ان کے حق میں نہیں سنی جائے گی کیونکہ کَمَا کا مطلب ہے جیسے انہوں نے بچپن میں رحمت کے ساتھ میری تربیت کی یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو بھلا کر یورپ اپنے معاشرے میں کئی قسم کے عذاب پیدا کر چکا ہے۔ اولاد کے ساتھ حسن سلوک اور رحمت کے ساتھ تربیت کرنا اس لئے بھی نہایت ضروری ہے تا کہ بعد میں بڑے ہو کر اس اولاد کا اپنے والدین سے اسی طرح رحمت اور نرمی اور مغفرت کا تعلق ہو۔ اگر بچپن ہی سے والدین اپنی زندگی کی لذتوں میں منہمک ہوں اور اولاد کو سکولوں کے سپرد کر دیں یا معاشرے کے سپرد کر دیں اور ان کی تربیت میں جو ذاتی تعلق پیدا کرنا چاہئے وہ تعلق پیدا نہ کریں تو یہ دعا ان کے حق میں نہیں سنی جائیگی یاد رکھیں یہاں بچوں کے ساتھ پیار کا ذکر نہیں ہے۔ بچوں کے ساتھ پیار تو ہر

معاشرے میں والدین کو ہوتا ہی ہے۔فرمایا ایسا پیار ہو جو تربیت میں استعمال ہوا ہو اور ایسا پیار نہ ہو جو تربیت خراب کرنے والا پیار ہو۔

پس پیار کے متوازن ہونے کا بھی اس آیت میں ذکر فرما دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ پیار ہی کام کا پیار ہے جس کے نتیجے میں اولاد اعلیٰ تربیت پائے۔ پس وہ والدین جو اس بات سے غافل رہتے ہیں ان کی سوسائیٹیوں میں کئی قسم کی خرابیاں جگہ پکڑ جاتی ہیں اور ان کی اولادیں جب بڑی ہوتی ہیں تو وہ اپنے والدین کے لئے نہ خدا تعالیٰ سے احسان کی دعائیں مانگتے ہیں نہ خود احسان کا سلوک کرتے ہیں۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بوڑھے آدمیوں کے گھر ایسے والدین سے بھر جاتے ہیں جن کی اولادیں ان سے غافل ہو چکی ہوتی ہیں۔ان کے ساتھ حسن سلوک تو درکنار ان کی معمولی سی غفلت پر ان کو ڈانٹتے ہیں، ان سے قطع تعلقی کرتے ہیں ان کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے ہیں اور جن جن معاشروں میں یہ مرض بڑھتا چلا جاتا ہے وہاں حکومت کے اخراجات بوڑھے لوگوں کے گھروں پر زیادہ سے زیادہ بڑھنے لگتے ہیں یہاں تک کہ بعض امیر ممالک بھی عاجز آجاتے ہیں اور ان کے پاس اتنا روپیہ مہیا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی سوسائٹی کے سب بوڑھوں کی ضرورتوں کو پورا کرسکیں۔ جو ضرورتیں دراصل ان کی اولاد کو پوری کرنی چاہئے تھیں۔لیکن جیسا کہ غالباً مولانا روم کا شعر ہے

؎ از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

کہ اعمال کے جو اثرات مترتب ہوتے ہیں ان سے غافل نہ رہنا گندم از گندم بروید جوز جو گندم کا بیج ڈالو گے تو گندم ہی اگے گی اور جو بوؤ گے تو جو ہی اگیں گے۔اس لئے پہلی نسلوں کے ساتھ آنے والی نسلوں کا تعلق دراصل اس تعلق کا آئینہ دار ہے جو پہلی نسلوں نے اپنی چھوٹی نسلوں سے رکھا تھا اگر اس میں شفقت تھی اور اس میں صرف شفقت ہی نہیں تھی بلکہ تربیت کے لئے استعمال ہونیوالی شفقت تھی، اگر رحمت کا سلوک تھا اور اس رحمت کے نتیجہ میں اولاد کے ساتھ بہت ہی حکمت کے ساتھ برتاؤ کیا گیا تا کہ ان کے اخلاق بگڑیں نہیں بلکہ سنورتے چلے جائیں اور اس رنگ میں ان کی تربیت کی گئی اور رحم کے نتیجے میں تربیت کی طرف زیادہ توجہ دی گئی تو ایسے لوگوں کی اولادیں پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس احسان کو یاد رکھتے ہوئے فطری طور پر اپنے والدین کے لئے آخر وقت تک نرم

رہتی ہیں اور ان کے ساتھ ان کے تعلق کٹ نہیں سکتے۔

ایسی سوسائٹی میں کوئی Generation Gap پیدا نہیں ہوسکتا کیونکہ Generation Gap ایک بہت خطرناک اصطلاح ہے اور آج کی ترقی یافتہ دنیا کی ایجاد ہے ورنہ قدیم سوسائیٹیوں میں آج تک Generation Gap کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوا۔ یہ ایک تعلیم اور ترقی کی نشانی نہیں ہے بلکہ قرآن کریم نے جو حکمت بیان فرمائی ہے اس کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں یہ بیماری پیدا ہوتی ہے کہ ایک Generation اپنی چھوٹی Generation کے ساتھ محبت کا تعلق چھوڑ دیتی ہے اور تربیت سے غافل ہوجاتی ہے تو وہ نسل جب بڑی ہوتی ہے اپنی پہلی نسل سے بہت دور ہٹ چکی ہوتی ہے ان کے درمیان فاصلے پیدا ہوجاتے ہیں اور وہ فاصلے پھر نسلاً بعد نسل بڑھتے چلے جاتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ کم ہونے لگیں۔ اس لئے یہ دعا جو سکھائی گئی اس کا پس منظر بھی خوب کھول کر بیان فرما دیا گیا اور اس کا جو بیچ کا حصہ ہے وہ ہے وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (بنی اسرائیل: ۲۵) کہ اے بچو! تم اپنے والدین کے لئے اس طرح نرمی کے پر پھیلا دو جیسے پرندے اپنے چوزوں کے اوپر اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں۔ یہاں پر کا استعمال اس لئے کیا گیا تا کہ پرندوں کا اپنے بچوں کے ساتھ سلوک ایک تصویر کی صورت میں ہماری نظروں کے سامنے ابھر آئے اور فرمایا کہ اس طرح اپنے والدین کے ساتھ پیار اور محبت کا سلوک کرو جس طرح پرندے اپنے بچوں کو پالتے ہیں، ان کی نگہداشت کرتے ہیں جو کلیۃً ان کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہاں دراصل انسانوں سے ہٹ کر پرندوں کی مثال دی گئی ہے۔

جناح کا لفظ محاورہ ہے ضروری نہیں کہ پر کے لئے استعمال ہو۔ ایک صفت کے بیان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن کیوں استعمال ہوتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پرندوں کی طرف ذہن منتقل ہوجاتا ہے کیونکہ پرندوں کے پر ہوتے ہیں اور پرندے اپنے بچوں کی بعض دفعہ اس طرح لمبے عرصے تک تربیت کرتے ہیں کہ نہ وہ بچے دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں، نہ کھا سکتے ہیں۔ ان کی چونچوں کو ٹھونگے مار مار کے وہ خوراک کے لئے کھلواتے ہیں اور جب تک وہ اس لائق نہیں ہوجاتے کہ خود آزاد زندگی بسر کرسکیں۔ اس وقت تک پرندوں کے والدین مسلسل محنت کرتے چلے جاتے ہیں۔

پھر اس میں ایک اور بھی حکمت ہے کہ دونوں پرندے اپنے بچوں کے لئے محنت کرتے ہیں اور صرف ماں پر نہیں چھوڑا جاتا۔ اور قرآن کریم نے جو ہمیں دعا سکھائی اس میں بھی اس مضمون کو کھول دیا گیا ہے۔ آج کل کے جدید معاشروں میں ایک یہ بھی خرابی ہے اور ہمارے قدیم معاشروں میں بھی یہ خرابی ہے بلکہ بعض صورتوں میں تیسری دنیا کے ممالک میں یہ خرابی ترقی یافتہ ممالک سے بہت زیادہ پائی جاتی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ماں کا کام ہے تربیت کرے اور والد اس میں دخل نہیں دیتے۔ والد ساتھ مل کر محنت نہیں کرتے اور ماں پر چھوڑ دیتے ہیں کہ جس طرح چاہے ان کو پالے، ان کا خیال رکھے نہ رکھے والد تو صرف کمانے میں مصروف رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں ہم نے تو اپنا فرض ادا کر دیا۔ قرآن کریم نے جو دعا سکھائی اس میں یہ بتایا رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا کہ اے میرے اللہ ان دونوں پر اس طرح رحم فرما جس طرح ان دونوں نے رحم کے ساتھ میری تربیت کی۔ یعنی ماں اور باپ دونوں اولاد کے لئے محنت کرنے میں برابر کے شریک ہونے چاہئیں اور دونوں کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہئیں مگر ذمہ داریاں سمجھتے ہوئے نہیں بلکہ رحم کے نتیجے میں اور شفقت کے نتیجے میں پس اس دعا کو اب دوبارہ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو آپ کو سمجھ آجائے گی کہ وہاں پرندوں کی ہی مثال دی گئی ہے کیونکہ جانوروں کی دنیا میں سب سے زیادہ مل کر اولاد کی خدمت کرنے میں پرندے ہیں۔ ان کے مقابل پر کسی اور جانور کی کوئی مثال نہیں دی جاسکتی۔ جس طرح پرندے دونوں مسلسل محنت کرتے ہیں اپنی اولاد کے لئے اس طرح دوسرے جانوروں میں اتنی مکمل مشترکہ محنت کی مثال نہیں ملتی۔ گھونسلہ بنانے میں بھی وہ اسی طرح محنت کر رہے ہوتے ہیں، خوراک مہیا کرنے میں بھی اسی طرح محنت کر رہے ہوتے ہیں بلکہ بسا اوقات آدھا وقت Male یعنی نر پرندہ بیٹھتا ہے اور آدھا وقت انڈوں پر مادہ پرندہ بیٹھتی ہے اور پھر جہاں تک خوراک مہیا کرنے کا تعلق ہے اس میں بھی دونوں محنت کرتے ہیں مگر نر پرندے کو بعض دفعہ زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے خوراک مہیا کرنے میں۔

تو فرمایا یہ بھی ہمیں اس دعا سے حکمت سمجھ آگئی کہ صحیح تربیت کرنے میں ماں کے علاوہ باپ کو برابر کا شریک رہنا چاہئے اور جہاں ماں اور باپ مل کر اولاد سے حسن سلوک کر رہے ہوں وہاں طلاقیں شاذ کے طور پر واقع ہوں گی۔ وہ گھر نہیں ٹوٹا کرتے اکثر وہی گھر ٹوٹتے ہیں جہاں اولاد کی

تربیت میں دونوں میں سے کسی ایک کا زیادہ دخل ہوتا ہے اور آپس کے تعلقات اس حد تک خراب ہوتے ہیں کہ دونوں بیک وقت اپنی اولاد کی ذمہ داریاں ادا نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے ایسی اولادیں پھر بڑی ہو کر زیادہ خراب ہو جایا کرتی ہیں۔ بعض دفعہ وہ ماں کی سائڈ لیتی ہیں کیونکہ ماں نے تربیت اور پیار میں زیادہ حصہ لیا۔ بعض دفعہ باپ کے ساتھ تعلق قائم رکھتی ہیں اور ماں کے خلاف ہو جاتی ہیں کیونکہ جانتی ہیں کہ ماں نے تو ہماری ذمہ داریاں ادا نہیں کیں باپ قربانی کرتا رہا ہے تو اس طرح گھروں کے ٹوٹنے کے احتمالات بھی بڑھ جاتے ہیں۔

یہ صورت حال پھر بعض دفعہ ایسے خطرناک نتائج پر منتج ہو جاتی ہے جس کے آثار اس وقت ترقی یافتہ ممالک میں ہر جگہ دکھائی دے رہے ہیں کہ اولاد کو اپنے والدین سے خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یورپ کے بعض علاقوں میں پولیس کی تحقیق کے مطابق تیس فیصد گھر ایسے ہیں جہاں بچے اپنے ماں باپ سے محفوظ نہیں ہیں یہاں تک کہ جنسی بے راہ روی کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ پس جہاں یہ صورت حال ہو وہاں یہ دعا کیسے کام کر سکتی ہے کہ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا یہ ایک ایسے صالح معاشرے کی دعا ہے جہاں والدین نے اپنی اولاد سے محض عام سلوک نہیں کیا، ذمہ داریاں ہی ادا نہیں کیں بلکہ بے حد رحمت کا سلوک کیا اور ان کی تربیت شفقت سے کی، کسی غصے کے ساتھ نہیں کی اور تربیت کے لئے رحمت ضروری ہے۔ یاد رکھیں جہاں جلد بازی میں انسان غصے میں مبتلا ہو جاتا ہے اولاد کو مارنے لگ جاتا ہے اس کو گالیاں دینے لگ جاتا ہے وہاں تربیت کا مضمون غائب ہو چکا ہوتا ہے وہاں نفسانی جوش کا معاملہ شروع ہو جاتا ہے اور نفسانی جوش سے تربیت نہیں ہوا کرتی۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی لئے ایک صحابی پر بہت ہی خفگی کا اظہار فرمایا۔ جن کے متعلق اطلاع ملی تھی کہ وہ اپنی اولاد سے سختی کرتے ہیں اور مار کے ان کو ٹھیک کرنا چاہتے ہیں۔ اتنی سختی کا اظہار فرمایا کہ بہت کم میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے صحابہ پر اس طرح ناراض ہوتے دیکھا ہے اور بار بار اس طرف توجہ دلائی کہ تم دعا کیوں نہیں کرتے اس سے پتہ چلا کہ خدا کے پاک بندے جو سچا ایمان رکھتے ہیں وہ تمام کوششوں میں سب سے زیادہ اہمیت دعا کو دیتے ہیں۔

پس رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا میں ایک یہ پہلو بھی ہمارے سامنے آ گیا کہ وہ رستہ جس پر خدا کے انعام یافتہ لوگ چلا کرتے تھے، وہ اپنی اولاد کیلئے صرف رحمت کا

سلوک نہیں کیا کرتے تھے، ان کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے اور ان کی دعائیں ان کے رحم کے نتیجہ میں ہوتی تھیں کیونکہ رحم کے نتیجے میں وہ خود بعض سختیاں اختیار نہیں کر سکتے تھے بعض جگہ وہ تجاوز نہیں کر سکتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے کہ میں یہاں زبردستی اس کو ٹھیک کر دوں۔ اس کے نتیجہ میں ان کے دل میں درد پیدا ہوتا تھا اور دعاؤں کی طرف توجہ پیدا ہوتی تھی۔ پس وہ لوگ جو **منعم علیھم** ہیں جن کو خدا نے اس راستہ پر کامیابی سے چلنے کی توفیق بخشی جو انعام یافتہ لوگوں کا رستہ تھا انہوں نے اپنی اولاد کے لئے دعائیں بھی بہت کیں۔ پس اس کے نتیجہ میں خدا نے بھی جب جواباً حسن سلوک سکھایا تو اس مضمون کو دعا پر ختم کیا۔ فرمایا وہ تمہارے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے اس میں دعائیں بھی شامل تھیں۔ **کَمَا** کے لفظ نے بتا دیا کہ دعائیں ضرور شامل تھیں اگر دعائیں شامل نہ ہوتیں تو خدا دعا سکھاتا کیوں؟ پس اس مضمون کو دعا پر ختم کرنا اس آیت کو بہت ہی زیادہ دلکشی عطا کرتا ہے بہت ہی حسین بنا دیتا ہے کیسا کامل کلام ہے تربیت کے سارے امور بھی اس میں بیان ہو گئے۔ دونوں نسلوں کے تعلقات اس میں بیان ہو گئے وہ خطرات بیان ہو گئے جو ہمیں پیش آسکتے ہیں جن سے ہمیں متنبہ کیا گیا اور پھر یہ بتایا گیا کہ تربیت کا بہترین طریق دعا ہی ہے۔ پس جس طرح تمہارے والدین بچپن میں دعاؤں کے ذریعہ تم سے اپنی رحمت کا اظہار کرتے تھے تم بھی آخر پر خدا سے یہ دعا کیا کرنا اور اس دعا کو حسن سلوک کے بعد رکھا ہے دیکھیں! وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ان پر اپنی رحمت کے پَر پھیلا دو، ان کو اپنے پروں کے نیچے لے لو۔ ساری بات بظاہر مکمل ہو گئی پھر فرمایا نہیں مکمل ہوئی جب تک یہ دعا ساتھ نہیں کرو گے اس وقت تک تم حقیقت میں احسان کا بدلہ احسان کے ذریعے نہیں دے سکو گے۔ پس اس دعا نے اس مضمون کو مکمل کیا۔

اس دعا کے وقت ان سب باتوں کو اگر ہم پیش نظر رکھیں تو اس دعا میں بہت گہرائی پیدا ہو جاتی ہے اور بہت عظمت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ دعا اگلوں کے لئے بھی مفید ہے اور گزرے ہوؤں کے لئے بھی مفید ہے اور ہر طرف برابر اثر دکھاتی ہے۔

توحید باری تعالیٰ کے ساتھ اس مضمون کا بہت گہرا تعلق ہے کیونکہ سوسائٹی میں وحدت توحید کے اعلیٰ قیام کے لئے ضروری ہے۔ اور سوسائٹی میں وحدت تبھی ممکن ہے اگر والدین کا اولاد

کے ساتھ اور اولاد کا والدین کے ساتھ گہرا اٹوٹ تعلق قائم ہو چکا ہو۔ اسی کے نتیجہ میں خاندان استوار ہوتے ہیں، اسی کے نتیجہ میں سوسائٹی میں یکجہتی پیدا ہوتی ہے جہاں خاندانی رشتے ٹوٹ جائیں جہاں والدین اپنی اولاد سے الگ ہونے شروع ہو جائیں وہاں سوسائٹی پارہ پارہ ہو کر بکھر جاتی ہے اور ایک بکھری ہوئی منتشر سوسائٹی توحید پر قائم نہیں ہوا کرتی۔ پس وحدت کے ساتھ اس مضمون کا ایک اور بھی گہرا تعلق ہے یعنی ایک تعلق تو یہ ہے کہ خدا کو اپنی توحید کے بعد سب سے زیادہ یہ چیز پیاری ہے کہ مومن احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینے والا ہو اور دوسرا تعلق یہ ہے کہ جو میں نے بیان کیا ہے۔

اب ایک اور دعا میں آپ کو بتاتا ہوں قرآن کریم میں سورۃ الکہف آیت ۱۱ میں یہ دعا بیان ہوئی ہے رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے اپنے حضور سے رحمت عطا فرما وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا اور ہمارے لئے اپنی جناب سے ہدایت اور رشد کے سامان پیدا فرما دے ہمیں ہدایت اور رشد عطا فرما۔ اس دعا کا بھی ایک پس منظر ہے یہ دعا ان اصحاب کہف کی دعا ہے جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ ان پر جب دنیا تنگ ہوگئی جب سطح زمین پر بسنا ان کے لئے ممکن نہ رہا تو بجائے اس کے کہ وہ توحید سے تعلق توڑتے انہوں نے یہ زیادہ پسند کیا کہ سطح زمین پر بسنے کی بجائے غاروں میں اتر جائیں اور بنی نوع انسان سے چھپ کر اپنی زندگی بسر کریں تا کہ توحید پر قائم رہ سکیں۔

پس اس دعا کا بھی توحید کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب نوجوانوں کی ایک جماعت فرماتا ہے الْفِتْيَةُ سے مراد نوجوانوں کی جماعت ہے، غار میں داخل ہونے لگے، غاروں کی طرف مائل ہو گئے اور یہ غاروں کی زندگی بسر کرتے ہوئے انہوں نے دعا کی کہ اے خدا! دنیا سے تو ہمیں اب رحمت کی کوئی امید نہیں رہی رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً میں مِنْ لَّدُنْكَ پر بہت زور ہے۔ مِنْ لَّدُنْكَ کا مطلب ہے کہ اب اپنی جناب سے تو نے جو کچھ دینا ہے عطا کرنا ہے اگر دنیا میں کوئی رحمت کا دودھ باقی ہوتا تو ہمیں کیا ضرورت تھی کہ انسانوں کی طرح سطح زمین پر بسنے کی بجائے ہم جانوروں کی طرح غاروں میں اتر جاتے۔ یہ عیسائیت کی پہلی صدی اور پھر دوسری اور تیسری صدی کے ان مؤحدین کا ذکر ہے

جنہوں نے توحید کی خاطر عظیم الشان قربانیاں دی ہیں اور یہ قربانیاں ان کو رومن حکومت کے مظالم کے مقابل پر بھی دینی پڑیں اور بعض عیسائی متعصب فرقوں کے مقابل پر بھی دینی پڑیں جو رفتہ رفتہ توحید سے تثلیث کی طرف گمراہ ہو چکے تھے۔ پس ان کا یہ ذکر تاریخی لحاظ سے ہر اس قوم کے لئے اہمیت رکھتا ہے جس کو خدا کی راہ میں تکلیفیں پہنچائی جائیں گی اور بڑی بڑی آزمائشوں میں ڈالا جائے گا۔ اس سے پہلے میں نے حضرت یوسفؑ کی ایک دعا آپ کے سامنے رکھی تھی اور خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بہت ہی حسین قصہ ہے کہ یوسف نے یہ دعا کی کہ اے خدا! یہ عورتیں جن لذتوں کی طرف مجھے بلاتی ہیں رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ (یوسف:۳۴) میرے اللہ مجھے قید خانہ زیادہ پیارا ہے بجائے اس کے کہ میں ان کی دعوت کے نتیجہ میں دنیاوی لذتوں کو اختیار کرلوں اور تیری رضا کو تج کر دوں۔

یہ اس سے ملتی جلتی دعا ہے۔ عیسائی قوم نے بھی آغاز میں خدا کی خاطر بہت ہی عظیم الشان قربانیاں دی ہیں اور ان کی قربانیوں کی یاد زندہ رکھنے کے لئے قرآن کریم نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے دنیا کی سطح کے مقابل پر غاروں میں بسنا پسند کرلیا۔ تہذیب کو چھوڑ کر پرانے زمانوں کی طرف لوٹ گئے جبکہ انسان ابھی متمدن نہیں ہوا تھا اور یہ عرض کیا اے خدا! اب ہمیں دنیا والوں سے رحمت کی کوئی امید نہیں رہی۔ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اب تیرے سوا کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے تو اپنی جناب سے ہمیں رحمت عطا فرما وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا اور محض اپنے فضل اور رحمت کے نتیجہ میں ہمیں ہدایت پر قائم رکھنا کیونکہ ہدایت کی خاطر ہم یہ قربانی دے رہے ہیں اگر غاروں میں بسنے کے باوجود ہم ہدایت سے خالی ہو گئے یا دوبارہ گمراہ ہو گئے تو ہماری یہ قربانیاں ضائع جائیں گی۔

جماعت احمدیہ کے حالات پر یہ دعا بہت صادق آتی ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ پہلے مسیح کے ماننے والوں کی قربانیوں کو یاد رکھتے ہوئے اب اپنے لئے وہی ترجیحات قائم رکھیں جو پہلے مسیح کے ماننے والوں نے اپنے لئے قائم رکھی تھیں کہ دنیا کی خاطر ہدایت کو قربان نہیں ہونے دیں گے اور مظالم سے گھبرا کر وہ ہدایت کی راہ نہیں چھوڑیں گے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے اگر تمام انسانی حقوق سے محروم بھی کر دیئے جائیں گے تب بھی وہ خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہوئے اس زندگی کو خوشی کے ساتھ قبول کرلیں گے اس لئے مجھے اس کا خیال آیا کہ بعض دفعہ پاکستان میں تکلیفیں

اٹھانے والے بعض احمدی مجھے شکایت کے خط لکھ دیتے ہیں کہ ہماری ترقیات رک گئیں ۔ بچے لکھ دیتے ہیں کہ تعلیم کے معاملے میں ہم سے برا سلوک ہو رہا ہے ۔ ہمارے حقوق ادا نہیں کئے جا رہے اور وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ تو مسیح محمدیؑ کو ماننے والے ہیں اور مسیح موسوی کی قوم نے کتنی عظیم الشان قربانیاں دی تھیں اور کتنے ثبات قدم کے ساتھ ان قربانیوں پر قائم رہے تھے اور کچھ بھی پرواہ نہیں کی تھی کہ ان کو انسانی حقوق سے کس حد تک محروم کیا جاتا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے اس حد تک محروم کر دیا گیا کہ سطح زمین پر بسنا ان کے لئے ممکن نہیں رہا، انسانوں والی زندگی بسر کرنا ان کیلئے ممکن نہیں رہا۔ پس اگر مسیح موسوی کے غلاموں نے ایسا عظیم الشان قربانی کا مظاہرہ کیا تو محمد مصطفی ﷺ کے مسیح کی طرف منسوب ہو کر یہ ادنیٰ چھوٹی چھوٹی باتیں اس جماعت کو زیب نہیں دیتیں ۔ دشمن جو چاہتا ہے کر گزرے جب تک چاہتا ہے اپنے مظالم پر اصرار کرتا چلا جائے مگر یہ دعا مانگتے ہوئے اگر جماعت احمدیہ خدا تعالیٰ سے صبر مانگے گی اور رحم مانگے گی تو انشاء اللہ ان کے حوصلے کبھی ناکام نہیں ہوں گے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ ان کے حوصلوں کے سر بلند رکھے گا۔

اب ایک دعا حضرت زکریا کی میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو اولاد کی تمنا میں کی گئی ہے مگر کس قسم کی اولاد کی تمنا ہے کیوں ایسی تمنا کی گئی تھی، اس کا پس منظر میں پہلے حضرت زکریا کی ایک دعا میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں یہ دعا اپنی ایک الگ شان رکھتی ہے بڑا گہرا اس میں درد ہے اور بہت ہی زیادہ خدا تعالیٰ سے وفا کا اظہار ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں استقلال کا اظہار ہے كٓهٰيٰعٓصٓ اس سے یہ آیت شروع ہوتی ہے سورہ مریم کی یہ پہلی آیت ہے كٓهٰيٰعٓصٓ (مریم:۲) كٓهٰيٰعٓصٓ یہ وہ حروف ہیں جو حروف مقطعات کہلاتے ہیں اور ان میں خدا تعالیٰ کی بعض صفات بیان کی گئی ہیں ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ (مریم:۳)۔ اے محمد ﷺ اب ہم اپنے ایک خاص بندے زکریا کے ساتھ تیرے رب کی رحمت کا ذکر کرنے لگے ہیں۔

جب کوئی خاص اہم بات ہو تو تمہیداً اس سے پہلے متوجہ کیا جاتا ہے کہ دیکھو دیکھو اب بہت عظیم الشان ذکر ہونے والا ہے، تو اس طرح قرآن کریم نے اس مضمون کا عنوان باندھا ہے پہلے اپنی وہ صفات بیان فرمائیں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ کی تشریح فتح البیان میں یہ مذکور ہے کہ ام ہانی

سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ك سے مراد کاف ہے یعنی خدا اپنے بندے کے لئے کافی ہے الیس اللہ بکاف عبدہ میں یہی لفظ کاف پایا جاتا ہے کیا خدا اپنے بندے کیلئے کافی نہیں جس کی انگوٹھیاں احمدی اکثر پہنے پھرتے ہیں۔تو پہلی بات تو کی ہے پھر خدا سے مایوس ہونے کا کیا سوال۔کیا وہ اپنے کیلئے کافی نہیں پھر ''ھ'' سے مراد ھـــاد ہے یعنی ہدایت دینے والا وہی ہے جو اپنے بندے کو ہدایت پر قائم رکھے تو رکھے ورنہ انسان اپنی طاقت سے ہدایت پر قائم رہ نہیں سکتا۔''یٰ'' کا لفظ مخاطب کا ہے کہ اے خدا جو کافی ہے اور ھادی ہے اور ''ع'' سے مراد عالم یا علیم اور ''ص'' سے مراد صادق ہے۔

عالم ان معنوں میں یعنی اس لئے اس موقع پر اس کا استعمال ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کسی کے لئے کوئی اولاد مفید ہے یا نہیں ہے۔کیوں اولاد عطا فرماتا ہے؟ کیوں نہیں اولاد عطا فرماتا اور صادق ان معنوں میں کہ اگر وہ وعدہ کرلے تو ضرور پورا ہوتا ہے۔خواہ بظاہر اولاد کے پیدا ہونے کا کوئی امکان بھی باقی نہ ہو۔پس ان صفات الٰہی کے ذکر کے بعد فرمایا اب ہم تجھ سے اپنے ایک بہت ہی پیارے بندے زکریاؑ کے ساتھ اپنے حسن سلوک کا ذکر کرتے ہیں۔اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا اس نے ہلکی ہلکی آواز میں جس طرح ایک آدمی کراہتا ہے اور گلے اور منہ سے دردناک سی آوازیں نکلتی ہیں گو بظاہر دوسرے آدمی کو وہ پوری طرح سمجھ بھی نہیں آتیں لیکن یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ بہت ہی کوئی دردناک بات ہو رہی ہے تو اس حالت میں حضرت زکریا نے اپنے رب سے ایک دعا مانگی۔وہ یہ تھی قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىِٕكَ رَبِّ شَقِیًّا (مریم:۵) اے میرے اللہ! میری ہڈیاں نرم پڑ چکی ہیں اور بڑھاپا میرے سر پر غالب آ گیا ہے اور اس طرح وہ بھڑک اٹھا ہے جس طرح آگ روشن ہو جاتی ہے۔اس طرح سفیدی سے میرا سر روشن ہو گیا ہے وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىِٕكَ رَبِّ شَقِیًّا ۝ اے اللہ میری وفا کو دیکھ کہ اب تک میں اپنی دعا سے جو میں تیرے حضور کر رہا ہوں مایوس نہیں ہوا کتنی عظیم الشان دعا ہے ایک بوڑھا آدمی جس کی ہڈیاں گل گئی ہوں، جس میں پوری طرح کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی ہو، اس کے بال سفید ہو چکے ہوں اور صرف یہی نہیں بلکہ یہیں آگے جا کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ

لَّدُنْكَ وَلِيًّا (مریم:۶) اے خدا! صرف میں ہی کمزور نہیں ہوں۔ میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ اس میں بھی بچہ دینے کی کوئی جان نہیں ہے۔ کتنا عظیم توکل ہے کہ اس کی کوئی مثال دنیا میں کہیں آپ کو دکھائی نہیں دے گی۔ ایسی ایسی عظیم دعائیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمارے لئے محفوظ کی ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دعا مانگنے کے لئے تو موجیں ہوگئی ہیں جتنا مشکل رستہ ہے اتنا ہی آسان ہو جاتا ہے۔ جب ہم انعام پانے والوں کی دعاؤں کا ذکر قرآن کریم میں پڑھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ وہ رستے آسان ہوئے کیسے تھے؟ تو اب سنئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے نے مجھ سے یہ دعا کی۔ میری ہڈیاں نرم پڑ چکی ہیں۔ میرا سر سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا (مریم:۵) اے اللہ آج تک میں تجھ سے، تیری رحمت سے مایوس نہیں ہوا۔ وَاِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ میں اپنے بعد اپنے شریکے سے ڈر رہا ہوں کہ وہ پتہ نہیں ہم لوگوں سے کیا سلوک کریں گے وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا اور میری بیوی بانجھ ہے اس کا کوئی بچہ نہیں جو اس کی نگہداشت کر سکے۔ اس کے لئے کھڑا ہو سکے، اس کی حمایت کر سکے۔ یہ تنہا اس دنیا میں رہ جائے گی فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا مجھے اپنی جناب سے کوئی ولی کوئی دوست عطا فرما اور ولی کی دعا نے اس کی نیکی کی دعا بھی ساتھ ہی مانگ لی کیونکہ بداولاد نیک لوگوں کی ولی نہیں ہوا کرتی۔ کیسی فصاحت و بلاغت ہے۔ حضرت زکریا کی دعا؟ واقعی یہ تو کہتے ہیں سنہری حرفوں سے لکھنے کے لائق ہے مگر سنہری حرف کیا چیز ہیں جس دعا کو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں محفوظ کر لیا اس سے زیادہ روشن اور کوئی چیز کوئی روشنائی اس کو ہمیشہ کے لئے قائم نہیں رکھ سکتی پھر کہا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ (مریم:۷) کہ میں ایسی اولاد چاہتا ہوں جو میرا اور آل یعقوب کا ورثہ پائے اور یہ ورثہ نیکیوں کا ورثہ تھا کوئی دنیاوی دولتوں کا ورثہ نہیں تھا وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا اور ایسا اس کو بنا جس سے تو راضی ہو جائے۔

اب جیسا کہ یہ دعا ہے ظاہر ہے کہ یہ دعا یوں لگتا ہے کہ نامقبول ہو ہی نہیں سکتی۔ جس طرح اس کا مضمون اٹھایا گیا ہے جس طرح اس کا آغاز کیا گیا ہے۔ پڑھتے پڑھتے انسان کا دل یقین میں ڈوب جاتا ہے، یہ انسان کا دل بے اختیار گواہی دینے لگتا ہے کہ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ اس دعا کو نامنظور فرما دے۔ چنانچہ اس کے معاً بعد یہ نہیں فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا سن لی، بلکہ بے

ساختہ جواب دیا ہے کہ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ (مریم:۸) اے میرے بندے زکریا ہم تجھے ایک غلام کی خوشخبری دے رہے ہیں اسْمُہٗ یَحْیٰی اس کا نام یحیٰی ہوگا لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا اس نام کی کوئی مثال اس سے پہلے دکھائی نہیں دیتی۔

دنیا میں کبھی کسی نے اپنے بیٹے کا یہ نام نہیں رکھا جو آج ہم تمہیں دے رہے ہیں۔ پس یہ ایک غیر معمولی بیٹا ہوگا اور بے مثال جیسا کہ خود ہوگا ویسا ہی اس کا نام ہوگا۔ اسْمُہٗ یَحْیٰی اور اس کا نام یَحْیٰی ہے اب یَحْیٰی نام کا تو مطلب ہے زندہ رہنے والا۔

یحیٰی نام کیوں رکھا گیا حقیقت یہ ہے کہ اس میں ان کی شہادت کی بھی خوشخبری تھی۔ حضرت یحیٰی شہید ہوئے ہیں اور شہداء کے متعلق اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور لفظ حیٌ ان پر اطلاق پاتا ہے تم ان کو بے وقوفی سے مردہ سمجھ رہے ہو لیکن وہ ہمیشہ کی زندگی پانے والے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے بعض حکمتوں کے پیش نظر حضرت زکریا کو جو اولاد سے محروم رکھا تھا ان حکمتوں کے پیش نظر ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اولاد سے محروم رکھا گیا اور ان حکمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ یہ سلسلہ آگے نہ چلے کیونکہ یہ سلسلہ تبدیل ہونے والا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان حکمتوں کو تو تبدیل نہیں فرمایا لیکن دعا کو پھر بھی قبول فرمالیا اور حضرت یحیٰی کے متعلق فرمایا کہ وہ زندہ رہے گا۔ یہاں زندگی کی یہ خوشخبری ہے کہ جب تک تو رہے گا تو اسے زندہ دیکھے گا جب تک تیری بیوی زندہ رہے گی وہ اس کو زندہ دیکھے گی اور تم دونوں کو اس بچے کی طرف سے کوئی دکھ نہیں پہنچے گا۔ تم دونوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی۔ بعد میں ہم اسے وہ ہمیشگی کی زندگی عطا کریں گے جو شہادت کے ذریعہ عطا ہوتی ہے۔

پس دعاؤں پر اگر آپ غور کریں جو قرآن کریم میں محفوظ کی گئی ہیں تو عظیم الشان حکمتوں کے سمندر ہیں جو کوزوں میں بند کئے گئے ہیں اور دعائیں قبول کیوں ہوتی ہیں؟ اور کس وجہ سے ہوتی ہیں؟ وہ تمام باتیں وہ مصلحتیں بھی ان دعاؤں کے اندر مضمر ہیں، بظاہر نظر سے چھپی ہوئی ہیں لیکن اگر آپ غور کریں تو آپ کو سمجھ آسکتی ہے۔ پس وہ والدین جو اپنے لئے ایسی اولاد کی دعا کرتے ہیں کہ جو محض ایک طبعی تقاضے کی دعا ہوا کرتا ہے کہ ہمیں بیٹا دے، ہمیں بیٹا دے، ہمیں بیٹا دے۔ کیوں دے؟ اس سے کوئی بحث ان کو نہیں ہوتی۔ نیک ہو یا بد ہو۔ اس سے ان کو کوئی بحث نہیں ہوتی وہ تو

اپنے طبعی تقاضے کی وجہ سے بس اس تمنا میں مر رہے ہوتے ہیں کہ ہم بے اولاد مرے جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء کی دعائیں ہمارے لئے محفوظ رکھی ہیں۔جن بزرگ خواتین کی دعائیں ہمارے لئے محفوظ فرمائیں وہاں ہمیشہ ایسی اولاد کی تمنا کی گئی ہے جو نیک ہو، جو خدا والی ہو، جو بزرگوں کے ولی بننے کی اہلیت رکھتی ہو، اور جو اپنے بزرگ والدین کی نیکیاں ورثے میں پانے والی ہو۔پس احمدیوں کو بھی جو اولاد کی نعمت سے محروم ہیں اس جذبہ کے پیش نظر اسی سنت کے مطابق دعائیں کرنی چاہئیں، اور ہمیشہ نیک اولاد کی دعا کرنی چاہئے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اس کے سوا اولاد کی جو دعائیں ہیں سب مردود اور دنیا کے قصے ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اب ایک دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیان کر کے پھر میں سردست اس مضمون کو یہاں ختم کروں گا، کیونکہ آج خدام کا اجتماع ہے اور، اور بھی یہاں بہت سے پروگرام ہونے والے ہیں۔باقی مضمون انشاء اللہ بعد میں جاری رہے گا۔

حضرت موسیٰ کی یہ دعا قرآن کریم میں مذکور ہے۔قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ (طٰہٰ:۲۶) اے میرے اللہ میرا سینہ کھول دے۔اے میرے رب میرا سینہ کھول دے۔ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ (طٰہٰ:۲۷) اور جو فریضہ تو نے مجھ پر عائد فرمایا ہے اسے آسان کر دے۔

داعیین الی اللہ جو خدا تعالیٰ کی راہ کی طرف بلانے کیلئے نکلتے ہیں ان کیلئے یہ دعا ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ایک عظیم الشان نعمت ہے۔اس دعا کو ذہن میں رکھ کر اور اسی طرح یہ دعا کرتے ہوئے جس روح اور جذبے کے ساتھ حضرت موسیٰ نے یہ دعا کی تھی، اگر کوئی داعی الی اللہ وقت کے بڑے بڑے جابر کو بھی دعوت دینے کیلئے نکلے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس کو شرح صدر عطا ہوگا۔اس کی زبان کھول دی جائے گی اس کی مشکلات آسان کی جائیں گی اور اس جابر کے خوف سے اس کو بچایا جائے گا۔

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ (طٰہٰ:۲۸) کہ مجھے سے تو صحیح گفتگو نہیں ہوتی۔میں تو تتلاتا ہوں اور اٹک کر بولتا ہوں اور وقت کے، اس زمانے کے سب سے بڑے جابر کے پاس تیرا پیغام لے کر جا رہا ہوں تو تو ہی ہے جو میری زبان کی گرہ کشائی فرما اور اس گرہ کو کھول دے یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ (طٰہٰ:۲۹) اور ایسی فصاحت کلام عطا کر کہ جو میں کہوں اس کو خوب اچھی طرح وہ لوگ سمجھنے لگیں۔صرف میں بات ہی نہ کرنے والا ہوں بلکہ وہ بات ذہنوں سے دلوں تک اتر جانے والی ہو اور وہ خوب اچھی

طرح سمجھ رہے ہوں۔ پھر عرض کیا وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ (طٰہٰ:۳۰) لیکن میرے اہل میں سے ایک وزیر بھی میرا مقرر فرما دے۔ هٰرُوْنَ اَخِيْ (طٰہٰ:۳۱) یہ میرا بھائی ہارون ہے میں اس کی تجھ سے التجا کرتا ہوں اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ (طٰہٰ:۳۲) اس کے ذریعہ میرا بازو میری طاقت کو مضبوط فرما وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ (طٰہٰ:۳۳) اور میرے ساتھ جو تو نے نیکی کا معاملہ کیا ہے اس میں اس کو بھی شریک کر دے۔ پس دنیا میں تو انسان شریک نہیں چاہتا لیکن نیکیوں میں شریک چاہنے کی دعا ہمیں بتائی گئی ہے کہ یہ ایک ایسی دولت نہیں ہے جس کو تم اپنے تک محدود رکھو اور دوسروں تک پہنچانے سے بخل سے کام لو۔ اس میں خدا تعالیٰ سے خود شریک مانگا کرو۔ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا (طٰہٰ:۳۴) اے خدا یہ اس لئے ہو کہ ہم سب مل کر پھر تیری خوب تسبیح کریں۔ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا (طٰہٰ:۳۵) اور خوب تیرا ذکر بلند کریں۔ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا (طٰہٰ:۳۶) اے خدا تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔

اس دعا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو وزیر مانگا اس کی دلیل یہ دی کہ میں بول نہیں سکتا۔ اگر چہ یہ دعا بھی ساتھ کی کہ اے خدا میری زبان کی گرہ کھول دے، مجھے بولنے کی طاقت عطا فرما اور صحیح بولنے کی طاقت عطا فرما میرا پیغام مخاطب خوب اچھی طرح سمجھ سکے اس کے باوجود اپنا ایک وزیر مانگا کیونکہ دل میں پوری طرح اطمینان نہیں تھا کہ میں اس حق کو ادا کر سکوں گا کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں دعائیں قبول کر لیں۔ وزیر تو بنا دیا لیکن اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ضرورت اس کی کوئی نہیں اور بڑا دلچسپ مضمون پیدا ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم نے حکم دیا تو موسیٰ کی دعا کے نتیجہ میں دونوں کو حکم دیا۔ کہا: اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (طٰہٰ:۴۴) اے موسیٰ اور اے موسیٰ کے بھائی! تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ اس نے بہت ہی سرکشی سے کام لیا ہے فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰہٰ:۴۵) اور تم دونوں اس سے بات کرتے ہوئے نرمی کی بات کرنا کیونکہ وہ دنیا کا ایک بہت بڑا انسان ہے اور سخت کلامی سے وہ بات سمجھ نہیں سکے گا۔

یہاں قول لین کہنے کی کیا ضرورت تھی حقیقت میں یہ حضرت موسیٰ کی دعا کا جواب ہے حضرت موسیٰ نے عرض کیا تھا يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ اے خدا! ایسی بات کہنے کی توفیق عطا فرما کہ وہ سمجھ جائیں پس قول لین کسی فرعون کے رعب کی وجہ سے نہیں ہے، اس کے خوف کی وجہ نہیں ہے بلکہ انسانی فطرت کا یہ راز کھولا جا رہا ہے کہ جب تم بڑے آدمیوں سے بات کرو تو اگر تم اکڑ کر بات کرو گے

اور یہ سمجھتے ہوئے کہ تم خدا کے نمائندہ ہو، تمہیں نرمی کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو بات تو تم کرلو کے، اللہ تمہیں بچا بھی سکتا ہے لیکن پھر وہ بات سمجھیں گے نہیں۔ ایسے دنیا دار لوگ جو دنیا کی بڑائیوں کے نتیجہ میں اپنے آپ کو بہت اونچا سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ نرم بات سننے کے عادی ہوتے ہیں، نرمی کی بات ان پر اثر کرسکتی ہے، سخت بات اور اونچی بات سے وہ اور زیادہ بھڑک اٹھتے ہیں اور بدک جاتے ہیں۔ پس قَوْلًا لَّيِّنًا کی یہ نصیحت دراصل يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ کی دعا کی استجابت کا ایک نشان ہے اسی کے نتیجہ میں یہ ہدایت فرمائی گئی ہے۔ لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى اس طرح ایک صورت پیدا ہوسکتی ہے کہ شاید وہ نصیحت پکڑے یا شاید خدا کا خوف اختیار کرے تو جب یہ دونوں پہنچے۔ دیکھیں یہاں ہر جگہ دونوں کو حکم دیا گیا ہے تثنیہ کے صیغے سے۔ فرعون دونوں کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ موسیٰ سے مخاطب ہو کر اس نے کہا قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى اے موسیٰ تو بتا کہ تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرعون بھی سمجھ گیا تھا کہ ہیں دونوں ہی نمائندہ۔ مگر بڑا نمائندہ یہ ہے اسلئے میں اسی کو مخاطب ہوں گا اس کے بعد ساری گفتگو حضرت موسیٰؑ نے کی ہے۔ حضرت ہارون ایک لفظ نہیں بولے۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى موسیٰ نے جواب دیا دونوں نے جواب نہیں دیا۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ وہی ہمارا رب ہے جس نے ہر چیز کو خلقت عطا فرمائی۔ ثُمَّ هَدٰى پھر اسے ہدایت کے رستہ پر ڈال دیا پس دیکھیں کس لطافت اور باریکی کے ساتھ دعا قبول ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ موسیٰ کو طاقت عطا کی جائے گی اسے کسی وزیر کی ضرورت نہیں ہوگی مگر چونکہ اپنے اس عاجز بندے سے خدا کو بہت پیار تھا اور اس نے نیکی میں ایک شریک مانگا تھا اس لئے خدا نے وہ دعا بھی قبول کرلی اور وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ والی دعا بھی قبول کرلی شرح صدر بھی عطا فرمادیا اور سارے قرآن کریم میں جہاں بھی فرعون کے ساتھ مکالمے کا ذکر ہے وہاں ہر جگہ آپ صرف حضرت موسیٰ کو بات کرتے ہوئے سنیں گے اور کہیں بھی حضرت ہارون کا کوئی ذکر فرعون سے گفتگو کرنے میں موجود نہیں ہے۔

پس داعیین الی اللہ کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے لئے مددگار مانگیں اپنے بھائیوں کو اپنا شریک بنائیں ان روحانی نعمتوں میں ان کو اپنا ساتھی بنائیں جو وہ خدا تعالیٰ سے پاتے ہیں اس میں کنجوسی نہ کریں لیکن دعا یہ کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خود کفیل بنادے اور وہ اس لائق ٹھہریں کہ ان کی باتیں ہر مخاطب غور اور تدبر سے

سنے ذکر الٰہی کا اس کے دل پر اثر پڑے۔ خدا کا خوف کرے اور بات کو سمجھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آئندہ جمعہ میں انشاء اللہ یہ مضمون جاری رہے گا۔ لیکن خطبہ ختم کرنے سے پہلے میں ایک اور دعا کی بھی تحریک کرنا چاہتا ہوں جاپان کی جماعت ماشاء اللہ باوجود بہت چھوٹی جماعت ہونے کے اور مالی لحاظ سے درمیانے درجہ کے ہونے کے باوجود قربانیوں میں بہت نمایاں ہو چکی ہے۔ ایک تو یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کی استطاعت بڑھائے اور استقامت عطا فرمائے اور یہ وقتی قربانیاں نہ ہوں بلکہ دن بدن آگے بڑھنے والی ہوں اور جس طرح وہ قربانیاں کرتے ہیں اس سے بہت زیادہ اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے ان کی استطاعت بڑھاتا چلا جائے خصوصیت کے ساتھ اس لئے یہ توجہ پیدا ہوئی کہ جب میں جاپان گیا تو وہاں ہمارے دو مشن ہیں لیکن باقاعدہ مسجد نہیں ہے اور مسجد کے لئے زمین خریدنا ہی بہت مشکل کام ہے۔ ایک تو جگہ نہیں ملتی آسانی سے۔ دوسرے بہت مہنگی زمینیں ہیں اور جماعت چھوٹی سی ہے اس میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اتنی بڑی جگہ خرید سکے۔ چنانچہ ابھی آنے سے پہلے مجھے جماعت جاپان کی مجلس شوریٰ کے فیصلے پہنچے ہیں ان میں انہوں نے بڑی ہمت کے ساتھ یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم خالصتاً اپنی طاقت سے کام لیتے ہوئے خود کفیل ہوتے ہوئے آئندہ تین سال کے اندر جاپان میں پہلی احمدیہ مسجد بنائیں گے اور پہلے سال کے لئے انہوں نے تین لاکھ پاؤنڈز کا وعدہ کیا ہے، اگلے سال کے لئے تین لاکھ پاؤنڈز کا۔ اس سے اگلے سال تین لاکھ پاؤنڈز کا اور جو حساب کیا گیا ہے اس کی رو سے فی احمدی دوسو پاؤنڈز مہینہ بنتا ہے اور آپ میں سے جن لوگوں نے سوسائیٹی وغیرہ سے مکان خریدے ہوئے ہیں، وہ سالانہ پانچ سو، چھ سو پاؤنڈز کچھ سود میں، کچھ قیمت میں ادا کرتے ہیں۔ ان کو پتا ہے کتنا مشکل کام ہے لیکن چونکہ ذاتی گھر ہے اس لئے لوگ بڑی بڑی دقتیں برداشت کرتے ہیں اور سخت حالات میں بھی وہ قسطیں ادا کرتے چلے جاتے ہیں جاپان کی چھوٹی سی جماعت نے یہ عجیب مثال قائم کی ہے کہ خدا کے گھر کے لئے ساری جماعت نے اوسطاً دوسو پاؤنڈز مہینہ کے چندہ کی ذمہ داری قبول کر لی ہے اور انہوں نے عہد کیا ہے کہ جس طرح بھی ہو ہم انشاء اللہ آئندہ تین سال میں پہلی باقاعدہ مسجد جاپان میں بنا کر چھوڑیں گے۔ تو دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کو اس عزم کو پورا کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ ان کی استطاعت بڑھائے۔ ان کے حوصلے

بلند رکھے ان کو اپنی نیکیوں پر ہمیشہ قائم رہنے کی توفیق بخشے اور جتنا وہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس سے بہت زیادہ غیب سے ان کو عطا کرتا چلا جائے۔ آمین